رجسٹرڈ نمبر ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۲۹

تار کا پتہ
"انجمن" علی گڑھ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ ۲ آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲ | یکم مئی ۱۹۵۴ء | ایڈیٹر: قاضی عبد الغفار | ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۷۳ھ | نمبر ۲۳

انجمن نے کوئی کام نہیں کیا!

یہ ارشاد ہے ایسے دوستوں کا جو اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ انھوں نے اپنی عمر میں اردو زبان کی کیا خدمت انجام دی ہے۔ ان دوستوں میں بعض ایسے ہیں جو ماشاء اللہ خوشحال ہیں۔ ان سے اگر سوال کیجیے کہ آپ نے اردو کے لیے کتنے پیسے خرچ کیے ہیں تو وہ خفا ہو جائیں گے اور کچھ نہ فرمائیں گے یا اور زیادہ شدت سے انجمن کی بے عملی کا نوحہ پڑھیں گے!

ان ہی دوستوں میں بعض وہ ہیں کہ عوام کے نمائندہ بن کر اسمبلی اور کونسل کی کرسیوں سے آسائش حاصل فرماتے ہیں ——— اگر قوم کے ان نمائندوں سے سوال کیجیے کہ جناب نے کونسل یا اسمبلی میں نمائندگی کا کیا حق ادا فرمایا اور کب اُن مظالم کے خلاف آواز اٹھائی جو اردو پر کیے گئے ہیں۔ تو جواب یہ ملے گا (جیسا کہ ہم کو مل چکا ہے) کہ ہم "پارٹی" کی اجازت کے پابند ہیں! اگر ان کو حوالہ دیجیے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب یا مولانا شاہد صاحب جیسے اصحاب کی تقریروں کا جنھوں نے "پارٹی" کی اجازت کا پابند ہوتے ہوئے بڑی جرأت کے ساتھ فرض ایمان پر کلمۂ حق کہا۔ تو انجمن کی مفروضہ بے عملی پر اعتراض کرنے میں ان کا لہجہ اور سخت ہو جائے گا ——— سخت لہجہ کو وہ اپنی بے عملی کا پردہ دار بناتے ہیں!

ناواقف عوام کے سامنے وہ بے تکلف انجمن پر تعریض کر کے گویا اردو زبان کی محبت کے متعلق اپنا درد دل بیان اور زخم جگر عیاں فرما دیتے ہیں لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اس درد دل اور زخم جگر کی نمود سے اردو زبان کی خدمت کرنے والے واحد ادارے کو کتنا نقصان پہنچتا ہے۔

نصف صدی سے انجمن ایک خالص علمی اور ادبی حیثیت سے اردو زبان کی خدمت کرتی رہی اور وہ خدمت انجمن کے نئے دور میں بھی اسی طرح جاری رہی کہ تقریباً دس بارہ معیاری کتابیں ہر سال انجمن نے لکھوائیں اور شائع کیں اور انقلابی ہوا کے جھونکوں سے اس چراغ کو بچایا دوسروں کے لیے سے چل رہی تھی۔ پھر جب انجمن نے دیکھا کہ اردو زبان پر علانیہ اور براہ راست ایسے شدید حملے ہو رہے ہیں جن کا مقابلہ کرنے کے قابل کوئی دوسرا ادارہ موجود نہیں تو اس نے بار بار سوچنے اور غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اب اُسے اپنے خالص علمی مسلک سے ہٹ کر اردو کی حفاظت کے لیے دفاعی تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں۔ موجودہ ماحول میں یہ کام آسان نہ تھا۔ لیکن اس نے دو سال میں تقریباً ۲۷ ہزار روپیہ صرف کر کے زبان کی حفاظت کا ایک دستوری محاذ قائم کر دیا اور اس کام کی پہلی منزل طے کر لی۔ اس منزل پر ان بلند مقام "محبان اردو" کے زبان سے جب ہم یہ سوال سنتے ہیں کہ انجمن نے کیا کیا؟ تو نہ غصہ آتا ہے، اور نہ افسوس ہوتا ہے بلکہ ایک عبرت آموز تصویر اس ذہنی پستی کی نظروں کے سامنے آ جاتی ہے جو ان "کرسی نشین" "محبان ملت" کی خاص نشانی ہے۔ اس کرسی نشینی کا اثر یہ ہے کہ اپنی نظر سے خود ہی دھوکہ کھا کر یہ حضرات تصویر کا صرف وہ رخ دیکھتے ہیں جس میں ان کی شخصیت بہ حیثیت ایک ناصح اور مصلح کے نمایاں ہوتی ہو اور دوسروں کی جد و جہد کے رخ کو دیکھنا نہیں چاہتے اس لیے کہ اس کے دیکھنے سے خود اپنی بے عملی کا تکلیف دہ احساس ان کے نفس کی تسکین میں حائل ہوتا ہے!! ناصح اور مصلح کا بلند مقام ہے!! اس کا کام ارشاد فرمانا ہے کام کرنا دوسروں کا فرض ہے! جب ہمارے کان میں مصلحانہ اور مشفقانہ تنقید کی یہ آوازیں آتی ہیں تو ہم سوچتے ہیں کہ کیا واقعی انجمن سے کوئی خطا سرزد ہوئی ——— کیا واقعی انجمن سے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی ہوئی ——— کہیں ایسا تو نہیں کہ انجمن کی رکنیت کے انتخاب میں ان محب قوم کا نام پیش ہونا چاہیے تھا اور نہیں ہوا! یا ایسا تو نہیں کہ کوئی کتاب وہ چھپوانا چاہتے تھے اور انجمن نے اس کا مسودہ قبول نہیں کیا! یا ایسا تو نہیں کہ کوئی مسودہ

جناب نے بھی تھا اور وہ شائع نہ ہو سکا! وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے کتنے ہی گناہ ہیں جو انجمن سے سرزد ہو سکتے ہیں۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ ان خطاؤں سے بھی خفیف تر خطاؤں کی وجہ سے وہ نمایاں ملت کو یقین ہو جاتا ہے کہ انجمن نے کوئی کام نہیں کیا! ____ نظر کی اس تنگی اور انکار کی اس رعونت سے ہم ناواقف نہیں، اور شاید کوئی بھی ادبی ادارہ ایسا نہیں جس کو اس قسم کے ناصحان مشفق کی تنقید سے واسطہ نہ پڑتا ہو۔

انجمن ۵۳ ہزار روپے سال بہترین معیاری کتابوں کی اشاعت پر خرچ کر رہی ہے۔ انجمن کی ساٹھ ستر شاخیں تمام ہندوستان میں کام کر رہی ہیں ان میں سے کچھ کو انجمن مالی امداد بھی دیتی ہے۔ باوجود اپنے وسائل کی کمی کے انجمن نے ۲۷ ہزار روپیہ علاقائی تحریک پر خرچ کیا، کس طرح وہ خرچ کیا گیا۔ کس طرح چندے مانگے گئے اور کن حضرات نے چندے دیئے ان چندہ دینے والوں کی فہرست میں کتنے ایسے مسلمان مشفق کے نام بھی شامل ہیں، جو فرماتے ہیں کہ انجمن نے کچھ کام نہیں کیا، یہ سب باتیں تفصیل سے عرض کرنے کی ہیں۔ لیکن ایسے بے اصول ہیں ہماری زبان کے زیادہ صفحات کو ضائع کرنا ہمیں گوارا نہیں۔

ہم ان دوستوں دعوت دیتے ہیں کہ کونوں بچالوں میں بیٹھ کر اعتراض کرنے کے بجائے براہ راست انجمن کے سکریٹری یا صدر کو مخاطب کریں اور براہ راست سوالات کرکے حقیقت حال سے آشنا ہونے کی کوشش کریں۔ یہ کوئی بہادری نہیں کہ جہاں کوئی تردید کرنے والا موجود نہ ہو وہاں چپکے چپکے انجمن کو بدنام کیا جائے، اس طرح ان دوستوں کی عزت نفس میں کچھ بھی اضافہ نہیں ہوتا۔

دیکھتا ہوں دوش کے آئینہ میں فردا کو میں

مشرقی بنگال میں اردو زبان کو علاقائی زبان پر مسلط کرنے کی کوشش کا نتیجہ ہم نے دیکھ لیا اور معلوم ہو گیا کہ عوام کی مادری زبانوں کے ساتھ حکومتیں یا حکومتوں کے زیر سایہ صاحبان اقتدار ایسا کھیل کھیل کر کیسے فتنے اور خطرے پیدا کر سکتے ہیں، پھر یہ کہ عوام کی قوت کے مقابلے میں شکست ان ہی کو ہوتی ہے۔

جو لوگ آپ انجمن ترقی اردو کو علاقائی تحریک پر عجیب عجیب الزامات لگا رہے ہیں ____ کبھی اس کا ملکی اتحاد، پاکستان اور دو قومی نظریے سے ملاتے ہیں۔ کبھی اس کے حامیوں کی وفاداری کو مشتبہ قرار دیتے ہیں، کبھی اس کو فرقہ واری تحریک بتاتے ہیں ____ ان کو تھوڑا سا حقیقت شناس ہو کر اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ اگر انجمن ترقی اردو نے گزشتہ عام انتخاب میں اپنی تحریک کا یہ رخ اختیار کیا ہوتا تو نتیجہ کیا ہوتا۔ ہم نے اپنی تحریک پر دستوری پابندیاں سختی کے ساتھ عاید کیں اور کبھی اس کو عام شورش کے طرز میں عوام کے ہاتھ میں نہیں جانے دیا، لیکن

”نیکی برباد گناہ لازم“

اس پالیسی ہم کو جو طعنے سننے پڑتے ہیں اس کا ایک ثبوت ہم ابھی ایوان پارلیمنٹ میں دیکھ چکے ہیں۔ ٹنڈنوں اور گووند داسوں سے عرض کرنا ضروری ہے کہ اردو والوں کو دبا کر کسی عوامی تحریک کی طرف نہ لے جائیے اگر آپ اپنی تنگ نظری اور تنگ دلی سے اس قدر مغلوب رہیں گے تو نتائج کے بھی آپ ہی ذمہ دار ہوں گے۔ عوام کی مادری زبانوں سے کھیلنا بہت خطرناک کھیل ہے۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ اردو والوں کے حلق یہ کہتے کہتے خشک ہوئے جاتے ہیں کہ ہم سرکاری زبان کے حامی ہیں، ہم اس کے خلاف نہیں، ہم اپنے بچوں کو ہندی پڑھا رہے ہیں اور ضرور پڑھائیں گے، ہم اتنے بیوقوف بھی نہیں کہ سرکاری زبان سے بیر رکھ کر اپنی اور اپنی اولاد کے معاشی مستقبل کو برباد کر دیں، لیکن حال یہ ہے کہ

”یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں“

اور ادھر بدگمانیوں اور شبہات کا ایک طومار ہے جو ختم ہی نہیں ہوتا۔ اگر خدانخواستہ ہماری دستوری جدوجہد کامیاب نہ ہوتی تو کیا ٹنڈن جی ہمیں مشرقی بنگال کا راستہ بتائیں گے؟ ان ناعاقبت اندیش بزرگوں سے یہ بھی بعید نہیں!

بہرحال اس وقت تو ہمارے لئے اور ہندوستان کے تمام ٹنڈنوں کے لئے مشرقی بنگال میں مسلم لیگ کی شکست ایک سبق آموز واقعہ ہے۔

عجیب تر بات ہے کہ جب ہندوستان کی دوسری علاقائی زبانوں کی ترقی اور تحفظ کی ایسی تجویزیں بھی پیش کی جاتی ہیں جو ہندی پریمیوں کے جذبات سے ٹکر لیتی ہیں تب بھی ٹنڈن جی کچھ فرماتے ہیں نہ گووند داس جی۔ تازہ ترین خبر یہ ہے کہ بنگال کی حکومت اس غرض سے ایک کمیٹی مقرر کر رہی ہے کہ وہ ہندی زبان کے لئے دیوناگری کے علاوہ دوسرے رسم الخط بھی اختیار کرنے کے مسئلے پر غور کرے اور اس تجویز کا راستہ صاف کرنے کے لئے تحریک کی جائے گی کہ دستوری دفعہ ۳۴۳ میں ترمیم کی جائے تاکہ سرکاری زبان کے دونوں رسم الخط جائز قرار دے جائیں۔

ہم حیران ہیں کہ بنگال کے چیف منسٹر کی وفاداری پر کیوں نہ شبہ کریں اور کیوں نہ کہیں کہ یہ اگر پاکستانی نہیں تو قدیم غلامانہ ذہنیت ہے جس کی وجہ سے انگریزی رسم الخط کو سرکاری زبان کے لئے جائز قرار دیا جائے گا ____ راشٹر بھاشا کے پریمی آخر کیوں خاموش ہیں۔ جہاں مولانا ابوالکلام آزاد کو وزارت سے علیحدہ کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ وہاں بی سی رائے کو برطرف کرنے کا مطالبہ کیوں نہیں کیا جاتا۔

حیرت ہوتی ہے کہ ہندوستان کی تمام علاقائی زبانیں راشٹر بھاشا سے کتنی ہی ٹکرائیں، پھر بھی وہ شبہ جو کوڑی ہے تو صرف اردو۔ منہ کا مزا صرف اردو کے نام سے کڑوا ہوتا ہے ____ اس طرز میں فرقہ پرستی صاف جھلکتی ہے، مگر کس کی؟

ہلکے ہلکے اشارے

—— باندہ کی سیاسی (کانگریسی) کانفرنس میں پنڈت جواہر لال نہرو نے ان لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے جو ہندی میں موٹے موٹے الفاظ استعمال کرتے ہیں، سوال کیا کہ یہ کانفرنس ایک سنجیدہ سیاسی اجتماع ہے یا ہندی سمیلن؟

—— وہ یہ سوال کر سکتے تھے کہ یہ کانگریس ہے یا ہندی پرچارنی سبھا؟

—— پنڈت جی نے یہ شکوہ بھی کیا کہ صدر استقبالیہ کی تقریر ان کی سمجھ میں بالکل نہیں آئی! —— اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ صدر استقبالیہ کی سمجھ پنڈت جی سے اونچی ہے! وقت آئے گا تو وہی وزیر اعظم بنائے جائیں گے —— اگر پنڈت جی اپنے حق سے دست بردار ہو گئے!!

—— اردو کے ایک دوست نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ڈاک کے خطوط پر پتے صرف اردو میں لکھے جائیں!

—— بھارت کے پوسٹ مینوں سے بھی ذرا مشورہ کر لیجئے!!

—— حاتم روزنامہ الجمعیۃ۔

"مقابلہ ہو تو ایسا ہو کہ عقل و انصاف سب مات کھا جائیں"

اور دانشوروں کے آنسو نکل آئیں! یعنی خبر یہ ہے کہ جس طرح ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی قیادت میں اردو کے حامیوں کا ایک وفد صدر جمہوریہ ہند سے ملا تھا۔ اس کے جواب میں ہندی والوں کا ایک ڈیپوٹیشن بھی صدر موصوف سے ملے گا اور ان سے "—— درخواست کرے گا کہ اردو کو اتر پردیش کی راج بھاشا بنانے کا مطالبہ منظور نہ کیا جائے —— "اس وفد میں ان ہی لوگوں کو شرکت کا فخر حاصل ہوگا جو پارلیمنٹ کی بحث میں اپنی تنگ نظری اور تعصب کے لئے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ یعنی ٹنڈن جی اور سیٹھ گوبند داس وغیرہ۔

—— مگر سوال یہ ہے کہ کیا اردو کے وفد نے صدر جمہوریہ سے یہ کہا تھا کہ ہندی کو اتر پردیش کی راج بھاشا بنانے کا مطالبہ منظور نہ کیا جائے؟ یا ان کا مطالبہ یہ تھا کہ اردو کو ہندی کی جگہ دی جائے؟ اگر نہیں تو ہندی والوں کا وفد یہ کیوں کہے کہ اردو کو اتر پردیش کی علاقائی زبان تسلیم نہ کیا جائے؟ اردو والے تو ہندی کی سرکاری حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اردو کی علاقائی حیثیت تسلیم کرانا چاہتے ہیں جو دستور ہند کے عین مطابق ہے۔ مگر یہ ہندی والے اردو کی تخریب پر آمادہ ہیں —— اسی لئے تو پارلیمنٹ میں فرقہ پرستوں کی —— تنگ نظری —— اور لسانی چھوت چھات پر ماتم سرائی کی گئی تھی کہ وہ ایک زندہ زبان کو دفن کر دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اردو والے ہندی اور اردو دونوں کو زندہ رکھنے پر تلے ہوئے ہیں!

—— حیدرآباد کیم اپریل۔ حیدرآباد اسمبلی میں عام فہم زبان کا مسئلہ آج پھر زیر بحث آیا۔ بعض ارکان نے انگریزی کی بجائے دوسری زبانوں میں ... قوانین کے ترجمے دینے کا مطالبہ کرتے ہوئے انگریزی زبان سے ناواقفیت کا اظہار کیا۔ وزیر پارلیمانی امور مسٹر گوپال راؤ ایکبوٹے نے انگریزی تحریروں کا "اردو" ترجمہ مہیا کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے کہا کہ اسمبلی کی اکثریت اس زبان سے واقف ہے۔ اردو میں ترجمہ دینے سے مختلف زبانوں میں ترجمہ پر صرف ہونے والا وقت اور صرفہ بچ جائے گا۔ لیکن نائب قائد وی۔ ڈی۔ دیشپانڈے اور دوسرے چند ارکان نے مرہٹی اور تینوں منطقہ واری زبانوں یعنی تلنگی، مرہٹی اور کنڑی میں ترجمے مہیا کرنے پر زور دیا جسے اسپیکر نے قبول کر لیا۔

(دکن نیوز)

—— کیسی بلا ہے یہ اردو جس سے کسی طرح نجات نہیں ملتی!!

—— یوپی کونسل میں وزیر تعلیم نے یہ تسلیم کیا ہے کہ بعض اسکولوں میں اردو پڑھانے والے مدرسین الگ کئے جا رہے ہیں اور نصاب سے اردو خارج کی جا رہی ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا۔ کہ حکومت اس سلسلے میں وقتاً فوقتاً انسدادی تدابیر اختیار کرتی رہتی ہے۔

لیکن ہماری بیچاری حکومت کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ
الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا!

—— ایک خفیف سی امید افزا بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ایک خاص افسر کا تقرر کیا گیا ہے جو اس بات کی نگرانی کرے گا کہ جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے ان کے داخلے اور اردو میں تعلیم کے متعلق مدرسوں میں حکومت کی پالیسی پر عمل درآمد کا بندوبست کیا جائے۔

—— ان اسپیشل افسر صاحب کے ساتھ ہم اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں —— سرکار اور عوام کے دو چکی کے پاٹوں کے بیچ میں جو کوئی افسر پھنس گیا ہو وہ کم از کم ہمدردی کا تو مستحق ہوتا ہے!!

—— اتر پردیش کے وزیر تعلیم لفظ "ابہام" کے معنی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان کے خیال میں یہ لفظ بہت ہی مبہم ہے۔ ہوا یہ کہ جب کونسل میں وزیر موصوف سے سوال کیا گیا کہ کیا اردو بھی ریاست کی ایک اہم زبان ہے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ لفظ تو اتنا مبہم ہے کہ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ ممبر کیا بات دریافت کر رہے ہیں۔

—— جو عقل و فہم بھی بازار میں کہیں بکتا
تو ہم خریدتے اک اپنے مہرباں کے لئے

—— ابھی تو مرکزی پارلیمنٹ میں "فریب تخیل" کی ترکیب پر جو مولانا آزاد نے استعمال کی تھی اس قدر نعرے بلند ہو چکے ہیں —— اب اتر پردیش کی کونسل میں لفظ "اہم" کی زد وزیر صاحب برداشت نہ کر سکے "فریب تخیل" کے متعلق ٹنڈن جی کو خفا ہوتے سنا نہیں تو یہ خیال آیا کہ مولانا نے ناحق یہ بین بجائی اور ان اصحاب کے سامنے چراغ جلایا جو دیکھ ہی نہیں سکتے "فریب تخیل" کا معاملہ کہاں سے کہاں پہنچا۔ اور کسی نے نہ سوچا کہ یہ ترکیب کتنی حسین اور معنی خیز تھی!! —— ٹنڈن جی نے جو فریب کا لفظ سنا تو ان بیچاروں کو اس کے ایک ہی معنی معلوم تھے!

——— بہار کی یونیورسٹی نے اردو، فارسی اور عربی میں پرائیوٹ طلبا کو ایم اے کا امتحان دینے کی ممانعت کردی۔

——— اس سے زیادہ موثر طریقہ کیا ہو سکتا تھا کہ یونیورسٹی میں طلبا کے لئے اردو فارسی اور عربی کی تعلیم کا کافی انتظام نہ ہو اور پرائیوٹ طلبا کو امتحان دینے کی اجازت نہ دی جائے!!

دیکھنا یہ ہے کہ یہ حرکتیں بہار میں بھی زبان کے مسئلے کو کہاں سے کہاں پہنچا ئیں گی۔

——— ایک دلچسپ خبر یہ شائع ہوئی ہے کہ عرصہ دراز کے بعد زبانوں کے متعلق مردم شماری کے جو نقشے رجسٹرار جنرل کے دفتر سے شائع کئے گئے تھا۔ اس ... صفحات کی رپورٹ میں یوں تو ہر زبان کے بولنے والوں کی آبادی کے اعداد ظاہر کئے گئے ہیں، لیکن جب معاملہ آیا اردو، ہندی ہندستانی اور پنجابی کا تو ان زبانوں کے اعداد کو یکجا کرکے شائع کیا گیا یعنی صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ ملک میں ۱۱۳۴۴۹۹۴۱ آدمی ہندی، اردو ہندستانی اور پنجابی بولتے ہیں! اور یہ بھی تصریح کی گئی کہ یہ اعداد یکجائی اس لئے شائع کئے گئے ہیں کہ ان زبانوں کے متعلق کچھ جھگڑے پیدا ہو گئے تھے!!

——— سبحان اللہ! کتنا آسان راستہ اختیار کیا گیا اب ان ۱۵ کروڑ انسانوں کے سمندر میں غوطے لگائیے اور اردو بولنے والوں کی تعداد معلوم کر لیجئے! ——— لیکن اس نشیب میں پانی مرتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مشترکہ اعداد کا پردہ اردو بولنے والوں کی تعداد پر ڈالنا ضروری سمجھا گیا! ——— یہی فرما دیتے کہ یہ سب ۱۵ کروڑ ہندی بولنے والے ہیں، ہندستانی اور اردو اور پنجابی کو سرے ہی سے القط کر دیتے ——— تب بھی ہم کیا کر لیتے۔ قلم ان کا ہے، کاغذ ان کا ہے، احساب کتاب ان کا ہے۔ اور ہندستان میں ایک آزاد حکومت قائم ہے!!

——— پٹنہ (بذریعہ ڈاک) بہار یونیورسٹی سینیٹ کے اجلاس میں سوالوں کے وقت پروفیسر سید حسن پٹنہ کالج ممبر بہار یونیورسٹی سینیٹ نے حسب ذیل سوالات کئے۔

۵۳-۵۲ کے بجٹ میں ہندی اور اردو کی ترقی کے فنڈ میں جو رقم دی گئی تھی اس میں سے اردو کے سلسلے میں کتنی صرف ہوئی اور کب خرچ ہوئی؟

بہار یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد نے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ اس میں سے کوئی رقم خرچ نہیں کی گئی۔

——— وہ جو مثل ہے کہ خربوزہ سے خربوزہ رنگ پکڑتا ہے! یعنی اترپردیش کے خربوزے سے بہار کے خربوزے نے رنگ پکڑا!!

——— "آزادی کے کرانتی بیر تھا تا دولی کے راج نیتک اور سماجک زندگی کے نرمانا سور گیہ شری آصف علی اور دلی کے پرتم لوک پرشکشا منتری تھا پا لے راشٹریہ نیتا سور گیہ شری شفیق الرحمن قدوائی کی پہلی برسی منانے کے لئے اتوار ۱۳ اپریل کو شام کے ساڑھے پانچ بجے ایک عام سبھا ہوگی جس میں راج نیتک تھا سماجک نیتاؤں دوارا دو مگت آتماؤں کو شردھانجلیاں بھینٹ کی جائیں گی کرپا جلسے میں زیادہ سے زیادہ سنکھیا میں سملت ہو کر اپنے کرتویہ کا پالن کریں۔

(پردھان منتری دلی پردیش کانگریس کمیٹی)

——— یہ اعلان ہے اس جلسے کا جو دہلی میں آصف علی صاحب مرحوم اور شفیق الرحمن صاحب قدوائی مرحوم کی برسی کے موقع پر کیا گیا!

——— اگر یہ دونوں مرحومین زندہ ہوتے تب بھی اس "قومی" زبان کو پڑھ کر مر جاتے!!

——— نئی دہلی ۸ اپریل۔ حکومت ہند کے فراہم شدہ اعداد و شمار کے مطابق شہر بمبئی (گریٹر بمبئی) میں ۶۰ مختلف زبانیں بولنے والے لوگ آباد ہیں جن میں سب سے زیادہ تعداد مرہٹی بولنے والوں کی ہے۔ یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ بمبئی میں اردو بولنے والوں کی تعداد ہندی بولنے والوں سے زیادہ ہے ——— مادری زبان کا چارٹ حسب ذیل ہے۔

مرہٹی ——— ۱۲،۳۶،۸۷۴

گجراتی ——— ۵،۲۳،۱۲۷

اردو ——— ۲،۸۱،۹۶۵

ہندی ——— ۲،۱۱،۳۲۳

——— اس نام کی (اردو) کسی زبان کا وجود ہی کہاں ہے پھر یہ اعداد کیسے؟ جس زبان کا کوئی وجود ہی اس ملک میں نہ ہو اس کے متعلق مردم شماری کے یہ تمام اعداد کیونکر فراہم ہو جاتے ہیں؟ ——— شاید سمپورنانند جی کچھ بتا سکیں!!

ہندستانی پرچار سبھا واردھا

شری اڈیٹر صاحب۔ تسلیم

حال ہی میں پارلیمنٹ میں ہندستانی پرچار سبھا واردھا کے بارے میں بحث ہوئی تھی۔ اس کے متعلق سبھا کے سکریٹری شری امرت لال ناناوتی نے جو گزارش کی ہے سو اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں، آپ اسے اپنے زندل عزیز اخبار کی اگلی اشاعت میں شائع کرنے کی مہربانی کریں۔

ابھی کچھ دن پہلے پارلیمنٹ میں محکمہ تعلیم کے بجٹ پر بولی اسمیں ہندستانی پرچار سبھا واردھا، بحث کا ایک موضوع بن گئی۔ شری ٹنڈن نے ہندستانی پرچار سبھا واردھا کو دی جانے والی سرکاری امداد کی مذمت

کی۔ اس کا جواب وزیر تعلیم مولانا آزاد نے دیا اور اس پر گاندھی جی کے سکریٹری شری پیارے لال جی کا مضمون اخباروں میں نکلا ہے جس سے کئی مسئلے اٹھتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے صدر شری کاکا صاحب کالیکر ایک کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے جاپان گئے ہیں۔ میں تو ایک خاموش اور خاکسار خادم ہوں اخبار میں بیان دینے کی مجھے عادت نہیں پھر بھی صورت حال ایسی ہو گئی ہے کہ عوام کی آگاہی کے لئے فوراً ہی کچھ کہنا میرے لئے ضروری بن گیا ہے۔

بحث کے دو حصے مخصوص تھے۔ ایک تو ہندستانی پرچار سبھا وردھا کا مقصد اور کام اور دوسرا اس کی سرکاری امداد۔ قومی زبان کے بارے میں گاندھی جی کے خیالات ۱۹۰۹ء یا اس کے پہلے سے صاف تھے "ہند سوراج" میں انھوں نے یہ خیالات ظاہر کئے ہیں۔

"ہر ایک پڑھے لکھے ہندستانی کو اپنی زبان کا، ہندو کو سنسکرت کا، مسلمانوں کو عربی کا، پارسی کو پرشین کا اور سب کو ہندی کا علم ہونا چاہئے۔ سارے ہندستان کے مسلمانوں پارسیوں کو سنسکرت سیکھنی چاہئے اور مغرب میں رہنے والے ہندستانی کو تامل سیکھنی چاہئے۔ سارے ہندستان کے لئے تو ہندی ہی ہونی چاہئے۔ اسے اردو یا ناگری لپی میں لکھنے کی آزادی ہونی چاہئے۔ ہندو مسلمانوں کے خیالات ٹھیک رکھنے کے لئے بہتیرے ہندستانیوں کو دونوں رسم الخط جاننا ضروری ہیں۔ ایسا ہونے پر ہم آپس کے سلوک میں انگریزی کو نکال باہر کر سکیں گے۔"

۱۹۱۸ء میں اندور میں ہندی ساہتیہ سمیلن کی صدارت کی کرسی سے بھی انھوں نے یہی خیالات ظاہر کئے اور تب سے ۱۹۴۲ء تک انھوں نے سمیلن کے ساتھ کام کیا۔ جب سمیلن نے ۱۹۴۱ء کے دسمبر میں ابوہر کے اجلاس میں ہندی لفظ کے اندر تاریخی نقطہ نظر سے اردو کا داخلہ ہوتے ہوئے بھی اس کا علیحدہ وجود تسلیم کیا اور ادبی اور قومی دونوں نقطہ ہائے نظر سے اپنے اور اپنی کمیٹیوں کے کام میں ہندی (ناگری) تحریر اور ہندی الفاظ ہی کا استعمال اور تبلیغ کرنا طے کیا۔ تب گاندھی جی نے مئی ۱۹۴۲ء میں ہندستانی پرچار سبھا وردھا قائم کی جس میں سمیلن کی مجلس منتظمہ کی مرضی تھی۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد جی صدر اور گاندھی جی نائب صدر تھے

گاندھی جی چاہتے تھے کہ ہندی ساہتیہ سمیلن اور ہندستانی پرچار سبھا دونوں تعاون سے کام کریں۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا اور جولائی ۱۹۴۵ء میں گاندھی جی نے ٹنڈن جی کو حسب ذیل خط لکھا۔

"میں تو اتنا ہی کہوں گا کہ جہاں تک ہو سکا میں آپ کے پریم کے ادھین (ماتحت) رہا ہوں۔ اب وقت آگیا ہے کہ یہی پریم مجھ سے آپ کو جدا کرائے گا۔ میں اپنی بات نہیں سمجھا سکا ہوں۔ یہی خط آپ سمیلن کی مقامی مجلس کے سامنے رکھیں۔ میرا خیال ہے کہ سمیلن نے ہندی کی میری تشریح قبول نہیں کی ہے۔ اب تو میرے خیالات اسی سمت میں آگے بڑھیں گے۔ قومی زبان کی میری تشریح میں اردو اور ناگری رسم الخط اور دونوں طرز تحریر کا علم آتا ہے۔ ایسا سمجھنے ہی سے دونوں کا تعلق ہو سکتا ہے تو سمجھا جائے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ میری یہ بات سمیلن کو چبھے گی اس لئے میرا استعفیٰ قبول کر لیا جائے۔ ہندستانی پرچار کا کٹھن کام کرتے ہوئے میں ہندی کی سیوا کروں گا اور اردو کی بھی۔"

کانگریس نے قومی زبان کا نام ہندستانی رکھا اس لئے وہ نام چل پڑا اور گاندھی جی اور دوسرے ساتھی قومی زبان کے لئے ہندی اور ہندستانی دونوں لفظ استعمال کرنے لگے۔ حالانکہ اس کے معنی وہی تھے جو گاندھی جی ۱۹۰۹ء سے کہتے آئے تھے

ملک کی تقسیم ہو جانے کے بعد مہاتما گاندھی کی یہی رائے تھی کہ ہندستان تو کشمیر سے راس کماری تک سارا ایک ہی دیش ہے اور ہمارے دونوں گئے ہیں۔ اس لئے سبھا کو اپنے آدرش کے مطابق اپنا کام جاری رکھنا چاہئے۔ (اس بارے میں زیادہ واقفیت سبھا کی طرف سے شائع شدہ "ہندستانی کے پرچارک گاندھی جی" نام کی کتابچے میں ملے گی۔ قیمت چار آنہ ڈاک خرچ ایک آنہ)

گاندھی جی اپنے تعمیری کام کرنے والے اداروں کے لئے خود فنڈ جمع کرتے تھے تاکہ ساتھیوں کو کام کے لئے زیادہ وقت ملے۔ گاندھی جی کے انتقال کے بعد جب ۱۹۴۸ء کے ماہ مارچ میں سیواگرام میں سبھا کے بجٹ پر بحث کرنے کے لئے جلسہ ہوا تو اس وقت مولانا ابوالکلام آزاد نے جو سبھا کو قائم کرنے والوں میں سے ایک ہیں، کہا کہ سرکار آپ کی ہے اور سبھا کو آپ کی ضرورت معلوم ہو جائے تو سرکار بھی کچھ ہاتھ بٹا سکتی ہے۔ اس لئے سبھا کے اس وقت کے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد جی نے سبھا کی ضرورتوں کے بارے میں وزیر تعلیم مولانا صاحب کو خط لکھا۔ اور تب سے سرکار ہر سال سبھا کو مالی امداد دیتی آرہی ہے۔

ستمبر ۱۹۴۹ء میں پارلیمنٹ نے سرکاری زبان کی حیثیت سے ناگری رسم الخط میں ہندی کو منظور کیا۔ دفعہ ۳۵۱ کے مطابق ہندستان کی مشترکہ تہذیب کو ظاہر کرنے کا ذریعہ بننے والی جس ہندی کی ترقی کے بارے میں حکم دیا ہے۔ وہ ہندی سبھا کی رائے میں گاندھی جی کی تشریح کردہ ہندی یا ہندستانی ہے۔ اور اس لئے سبھا نے پارلیمنٹ کے فیصلے کا استقبال کیا جبکہ ہندی ساہتیہ سمیلن کی مقامی کمیٹی نے اپنے ۲۹ ستمبر ۱۹۴۹ء کے اجلاس میں پارلیمنٹ کے پورے فیصلے کو دیکھتے ہوئے اس سے اپنی گہری بے اطمینانی ظاہر کی ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ مرکزی سرکار ساہتیہ سمیلن کی بھی برابر مالی مدد کر رہی ہے۔

مولانا صاحب سے پارلیمنٹ میں کہا جاتا ہے کہ یہ کہا کہ ہندستانی پرچار سبھا وردھا آسام ــــــــ کاموں میں ہندی ہی کا پرچار کرتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا صاحب کا مطلب اس ہندی سے ہے جو مجلس مقننہ نے ۳۵۱ دفعہ کے مطابق قرار دی ہے اور جس ہندستانی کے بارے میں گاندھی جی

...ہ سے کہتے آئے ہیں اور جسے بعد میں ہندوستانی بھی کہنے لگے ذکر ہندی ساہتیہ
سمیلن کی آشریہ کی ہوئی ہندی سے ہندوستانی پرچار سبھا وارد ھا کا مقصد
...ت ہے اور وہ آج بھی گاندھی جی کے بتائے ہوئے راستے پر چل رہی ہے
...وں کی معلومات کے لئے وہ مقصد نیچے دیا جا رہا ہے

"قومی زبان ہندوستانی کی تبلیغ کرنا جو سارے ہندوستان کی مذہبی
سیاسی، کاروباری اور ایسی ہی دوسری ضرورتوں کے لئے ملک بھر میں کام
...ئے اور الگ الگ زبانیں بولنے والے صوبوں میں میل جول اور بات چیت
...ا زبان بن سکے۔

(نوٹ: ہندوستانی زبان ہے جو شمالی ہندوستان کے شہروں
...ور گاؤں کے ہندو مسلمان وغیرہ سب لوگ بولتے ہیں، سمجھتے ہیں اور آپس
...کے کاروبار میں برتتے ہیں اور جسے ناگری اور فارسی دونوں رسم الخطوں میں
لکھا جاتا ہے۔ اور جس کی ادبی شکلیں آج ہندی اور اردو کے نام سے پہچانی
جاتی ہے اور جو اپنی قوت بڑھانے کے لئے صوبائی زبانوں سے ضروری الفاظ
اور لفظ... اپناتی رہتی ہے۔"

جب ڈاکٹر راجندر پرشاد جی نے صدارت جمہوریہ کا بار سنبھالا تب
انہوں نے چاہا کہ سبھا کی صدارت کے بارے میں انہیں رہائی دی جائے
اس لئے شری کا کا کالیکر جی گاندھی جی کے وفات کے بعد سے نائب صدر تھے
صدر بنا دیئے گئے اور شری ...جی راج کماری امرت کور نائب صدر۔ راجندر
پرشاد جی سبھا کے ... کی مجلس عاملہ کے ممبر تو ہیں اور سبھا کی میٹنگیں زیادہ
تر ان کی حاضری میں ہوا کرتی ہے۔ مولانا صاحب کے علاوہ پنڈت جواہر لال نہرو
ڈاکٹر ... ماجد، پنڈت سندر لال، علی گڑھ کے خواجہ عبد الحمید صاحب، شری شریمن
نرائن اگروال، شری ... راشٹر دوتی نہرو، شریمتی پریم بن کپٹن، شریمتی ریحانہ
طیب جی وغیرہ ..... سبھا کے ممبر ہیں۔

آخر میں اس موقع پر اردو، ہندوستانی اور صوبائی زبانوں کے
پریمیوں سے اپیل کروں گا کہ ہم سب مل کر قومی زبان کو اور صوبائی زبانوں کو
ترقی دیں اور جس طرح سب نے مل کر انگریزوں کو راج سے نکال باہر کیا اسی طرح سب
مل کر انگریزی کی حکومت کو بس باپو کی خواہش کے مطابق نکال باہر کریں۔ ہم
سب زبانوں سے محبت کریں۔ کسی سے بغض نہ رکھیں۔ آج جو سرکاری دفتروں
میں ہندی چلائی جا رہی ہے وہ نہ تو ہندوستان کے دستور کی ہندی ہے اور نہ عوام
کی۔ وہ مصنوعی اور غیر قدرتی ہے۔ جیسے ہندی پریمی اس سے دب گئے ہیں عوام
کی حکومت میں عوام کی زبان میں چلنی چاہئے۔ جبھی جنتا کو سوراج کا تجربہ ہوگا۔

امرت لال ناناوٹی

سکریٹری

(ہندوستانی پرچار سبھا۔ وردھا)

میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

اب اردو کی حفاظت ہم کریں گے میاں اس کی فضیلت ہم کریں گے
مگر ہندی سے نفرت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

کریں گے یوں تو ہم اردو کا پرچا خریدیں گے نہ ہم آنے کا پرچا
اڑا لینے کی جرأت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

پڑے ہانکا کریں اپنی یہ "ہاکر" پڑھیں گے مفت ہی پٹی پڑھا کر
بڑی قدر صحافت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

بکیں گی جتنی کم اردو کتابیں پڑھیں گے مفت ہم اردو کتابیں
نہ بے جا صرف دولت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

زبانی پوچھ لیں گے اہل فن کو نہ چندہ دیں گے ان کی انجمن کو
مگر الٹی شکایت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

کلام شاعر اردو" سنیں گے کریں گے "واہ وا" اور سر دھنیں گے
میاں قدر سخاوت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

ادیبوں کی نہیں محتاج اردو ہے اپنے بل پہ قائم آج اردو
بس اردو کی رفاقت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

مرے گا اشک تو ماتم کریں گے پڑھیں گے فاتحہ اور دم کریں گے
پھر اظہار عقیدت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

(اشک امرتسری)

اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

اعظم گڑھ: ۱۰ اپریل۔ پارلیمنٹ میں شبلی اکیڈمی پر ٹنڈن جی نے جو اعتراضات ابھی حال میں کئے ہیں، ان پر مولانا مسعود علی ندوی نے حسب ذیل بیان جاری کیا ہے۔

پارلیمنٹ میں وزارت تعلیمات پر اعتراضات کے سلسلے میں ٹنڈن جی نے شبلی اکیڈمی کی اس سرکاری امداد پر بھی اعتراض کیا ہے۔ جو کہ وزارت تعلیمات نے گزشتہ ستمبر میں اکیڈمی کے لئے منظور کی ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں وزارت تعلیمات کی طرف سے جو کچھ فرمایا گیا وہ اپنی جگہ پر قابل غور اور ایک ناقابل انکار حقیقت ہے لیکن اس سلسلے میں بھی شبلی اکیڈمی کی گزشتہ قومی و سیاسی تاریخ آپ کے سامنے پیش کر دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ آپ اس کا اندازہ کر سکیں کہ گورنمنٹ نے جو امداد دی ہے وہ صحیح ہے یا ٹنڈن جی کا غیظ و غضب۔

شبلی اکیڈمی (دارالمصنفین) ملک کی ایسی مشہور علمی سوسائٹی ہے جس کے کارناموں سے ٹنڈن جی کچھ کچھ واقف ہوں گے نیز اس ملک کا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ اور دوسرے ملک کے علماء و فضلاء تو اس سے پوری طور پر واقف ہیں یہ سوسائٹی ۴۰ برس سے علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہے۔ اس نے ہر شعبۂ علم و فن میں اعلیٰ اور بلند کتابیں شائع کی ہیں۔ اس کی مختلف کتابوں کے ترجمے ترکی، مصر، افغانستان اور ایران میں ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ انڈونیشیا اور چین میں بھی یہ اکیڈمی متعارف ہو رہی ہے۔ اس کی متعدد کتابیں باہر کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہیں۔ اس کے ریسرچ کے کارناموں کا اعتراف ...... یورپ تک نے کیا ہے۔ اس طرح یہ اکیڈمی اپنے علمی کارناموں سے اسلامی ممالک اور علمی دنیا میں ہندوستان کا نام بلند کر رہی ہے۔ ایک ایسی علمی انجمن کسی ملک کے لئے قابل فخر ہو سکتی ہے نہ کہ قابل تنقید و شکایت۔

شبلی اکیڈمی نے اپنی خدمات علم و فن ہی تک محدود نہیں رکھی ہیں بلکہ وقت آیا تو اس نے اپنے دائرہ عمل سے ایک قدم آگے بڑھا کر ملک و ملت کی خدمت اور جہاد آزادی میں بھی نمایاں شان حصہ لیا۔ جس کے بہت سے جاننے والے اور قدر کرنے والے افسوس ہے کہ آج دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور اب صرف چند ہستیاں باقی رہ گئی ہیں۔ جن میں بحمد اللہ اس ایوان کی سب سے اہم اور عظیم شخصیت بھی ہے۔

اس کی قومی و ملی خدمات کی داستان بڑی طویل ہے۔ جس کی تفصیل کے لئے گزشتہ ۵۰ سال کی قومی تاریخ کے اوراق الٹنے پڑیں گے مختصر یہ کہ اس نے [illegible] سے شروع ۱۹۴۲ء تک قوم و ملک کی جو خدمت کی ہے وہ کبھی بھلائی نہیں جا سکتی۔ اس اکیڈمی کو سیاست اور قومی خدمت کا یہ ذوق اپنے بانی علامہ شبلی نعمانی سے بطور ورثہ کے ملا ہے۔ مولانا نے اس زمانے میں آزادی وطن کا خواب دیکھا تھا۔ اور اس کے لئے پرجوش نظمیں لکھی تھیں۔ جب ملک میں چند افراد کے سوا کوئی بھی ان کا ہم نوا نہ تھا۔ میں آج بھی زندہ ہوں اور بتا سکتا ہوں کہ میں نے اور مولانا سید سلیمان ندوی نے گزشتہ پرآشوب زمانے میں اکیڈمی کو انتہائی خطرے کی حالت میں ڈال کر کس طرح صف اول کے رہنماؤں کے دوش بدوش جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ اور ہمارے اس سیاسی انہماک کی وجہ سے مدتوں تک علم و دانش کی یہ مجلس سیاسی تحریک کا مرکز بنی رہی ہے۔ کاش آج پنڈت موتی لال نہرو، ابھائی سروجنی نائیڈو، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، اور مولانا محمد علی مرحوم زندہ ہوتے اور ہمارے ٹنڈن جی کو بتاتے کہ جدوجہد آزادی کی تحریک میں شبلی اکیڈمی کا کیا مقام ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اب بھی کچھ لوگ موجود ہیں جن سے ٹنڈن جی دریافت کر سکتے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خود اس ایوان کی سب سے بلند کرسی پر جو شخصیت متمکن ہے۔ اس سے پوچھ لیں۔

اس موقع پر میں شبلی اکیڈمی کے قومی اور سیاسی کاموں کی ایک مختصر سی فہرست بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ اس سے اس کی سابقہ خدمات کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

(۱) نان کوآپریشن کی گزشتہ تحریک میں اکیڈمی کے ناظم اور ممبر نے اعظم گڑھ میں کانگریس کمیٹی قائم کی ۱۹۱۹ء سے ۲۲ء۱۹ تک مولانا سید سلیمان ندوی اعظم گڑھ کانگریس کمیٹی کے صدر اور میں اس کا سکریٹری تھا۔

(۲) ایک لاکھ کے بدیسی سوت کا بائیکاٹ مئو میں ہوا جس پر مہاتما گاندھی نے ہمیں مبارکباد دی اور اعظم گڑھ کو محترم پنڈت جواہر لال نے کھادی کا مرکز قرار دے دیا۔

(۳) پہلی ڈکٹیٹر شپ کے لئے مہاتما گاندھی نے اپنی گرفتاری کے وقت مولانا سید سلیمان ندوی کو اس رائے کے ساتھ نامزد کیا کہ ندوی بڑے چاتر ہیں۔ ان کو بھی سات آدمیوں میں لے لیا جائے۔ آخری ۱۹۳۰ء کی تحریک میں ڈاکٹر انصاری مرحوم نے اپنی گرفتاری کے وقت اکیڈمی کے ممبر مسعود علی ندوی کو ڈکٹیٹر نامزد کیا۔

(۴) جب کانگریس نے گورنمنٹ ایڈ کی واپسی کا حکم دیا تو سب سے پہلے اس کی تعمیل میں نے اور سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائی مخالفتوں کے باوجود ندوۃ العلماء کی پانچسو ماہوار کی امداد واپس کر دی۔ جس سے سارا ملک متاثر ہوا۔

(۵) جب والنٹیئر کور غیر قانونی قرار پایا۔ تو خود [illegible] جب ۱۹۲۱ء [illegible] اعظم گڑھ میں شبلی اکیڈمی کے اہتمام میں ایک ہزار والنٹیئروں کے ساتھ قانون شکنی کی۔ جس کی بحیثیت صوبہ کے سکریٹری کے پنڈت جی اور بحیثیت ضلع کے سکریٹری

کمیٹی نے قیادت کی۔

(۱۰) سوراج پارٹی جب یہاں قائم ہوئی۔ تو اس پر پہلا مسلمان ممبر اسی سوسائٹی کے منیجر جناب مسعود علی ندوی کا تھا۔ اس کے بعد آنجہانی پنڈت موتی لال نہرو نے شبلی اکیڈمی کو سوراج پارٹی کا مرکز قرار دیا۔ اور اعظم گڑھ کو صوبے میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہوگئی۔

(۱۱) احمد آباد کے بعد پہلا پنڈال شدہ کھدر کا اعظم گڑھ میں بنایا گیا جس میں پندرہ ہزار آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی اور جس کو تمام اکابر نے حیرت اور دلچسپی سے دیکھا۔

شبلی اکیڈمی کی ان گوناگوں علمی و ادبی اور قومی و وطنی خدمات کے باوجود میں نہایت فخر کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہندوستان کی آزادی کے بعد جبکہ ہر فرد اور ہر ادارہ نے اپنی قومی خدمت کی مادی قیمت نقد و اعزاز کی صورت میں وصول کر لی جس میں ہمارے رفیق ممتاز ندوی بھی شامل ہیں۔ ہماری اکیڈمی اور اس کے کارکنوں میں سے کسی فرد واحد نے بھی کبھی حکومت سے کسی اعانت کی درخواست نہیں کی اور نہ کسی قسم کا مالی و اعزازی فائدہ حاصل کیا۔ اور اس کی بے نیازی اور خودداری اسی طرح قائم رہتی اگر پاکستان کا تاریخی بازار اس پر یک قلم بند نہ ہوگیا ہوتا اور حیدرآباد اور بھوپال کی ۵۰۰ روپے ماہوار کی ریاستی امداد جو انگریزی دور حکومت میں بند نہ ہو سکی تھی۔ ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد بطور انعام دفعتاً بند نہ ہو جاتی اور اس کی وجہ سے اکیڈمی کی زندگی کے لئے پھر آزمائش نہ پیش آجاتے۔

ملک کی تقسیم کے بعد ہندوستان کے مسلم اداروں پر ابتلا و آزمائش کا جو نازک دور آیا اس کے پیش نظر ایک ایسے ہندوستانی مسلم کی حیثیت سے جو ہندوستان کے چپے چپے کو اپنا وطن سمجھتا، اور اس کے آثار اور اداروں کو اپنے اسلاف کی یادگار اور تہذیب و تمدن کا ورثہ جانتا ہو۔ شبلی اکیڈمی جیسے علمی ادارہ کی حفاظت و بقا کی ذمہ داری ہم پر پیش از پیش عائد ہوگئی اور ہم نے سوچا کہ اگر خدانخواستہ آزاد ہندوستان میں یہ علمی ادارہ انقلاب روزگار کا شکار ہوگیا تو یہ نہ صرف علمی دنیا کا ایک سانحہ ہوگا بلکہ اسلامی ممالک میں بھی جن سے ادارہ کا گہرا ربط ہے، ہندوستان کی سکولر حکومت کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں گی۔ ان خیالات نے ہمیں صورت حال پر ایک دوسرے نقطہ نظر سے غور کرنے کے لئے مجبور کر دیا اور اکیڈمی کی مشکلات ہم اپنی قومی حکومت کے سامنے پیش کرنے کے لئے مجبور ہوگئے اور ہم شکرگزار ہیں کہ گورنمنٹ نے ہماری درخواست منظور فرمائی اور ۔۔۔ ہزار کی وقتی امداد دے کر اس ادارہ کو بچا لیا۔

یہ امداد شبلی اکیڈمی کی خدمات ۔۔۔ کے لحاظ سے ایسی غیر معمولی نہ تھی کہ اس پر نکتہ چینی کی جاتی۔ اس موقع پر یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تقسیم کے بعد بار بار دار المصنفین کو پاکستان منتقل کرنے کے لئے ہم کو گرانقدر عطیات اور بہت بڑے رقبہ زمین کی پیشکش کی گئی۔ لیکن چونکہ ہم نے ہندوستان میں رہنے کا عزم کر لیا تھا۔ اور اس اکیڈمی کو یہاں زندہ رکھنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لئے ہم نے اسے قبول نہیں کیا۔

یہ ہے اس گرانٹ کی مختصر روداد جس پر اس قدر شور و ہنگامہ برپا ہے۔ اور یہ دشمن نہ تھی اکیڈمی کے قدیم کرم فرما ہم وطن شری الگو رائے شاستری بھی ضبط نہ کر سکے اور حوض نگار شہیدوں میں داخل ہوگئے اور حیثیت صدر صوبہ کانگریس کمیٹی یوپی نجانے مہم کی ابتدا غریب شبلی اکیڈمی ہی سے شروع کر دی۔

مسعود علی ندوی
منیجر شبلی اکیڈمی۔ اعظم گڑھ

آل انڈیا مشاعرے میں

عالی جناب ڈاکٹر شنکر دیال صاحب شرما

ایم۔اے۔ ایل ایل ایم۔ پی ایچ ڈی (کنٹب) بار ایٹ لا

چیف منسٹر بھوپال کا خطبہ صدارت

حضرات محترم!

آپ کے مشاعرے کی صدارت کے فرائض انجام دیتے ہوئے میں ایک غیر معمولی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے بھوپالی ہونے کی حیثیت سے اس بات پر بھی فخر ہے کہ ہمارا بھوپال باوجود ایک چھوٹی سی اسٹیٹ ہونے کے ہر قسم کی ترقیوں کے لحاظ سے بھارت کے کسی حصے سے بھی پیچھے نہیں ہے۔ آل انڈیا ریڈیو کا اس مشاعرے کو براڈکاسٹ کرنا خود اس بات کا ثبوت ہے کہ بھوپال ادبی دنیا میں ایک امتیازی مقام کا مالک ہے۔ اس مشاعرے میں بہت سے ایسے پرانے اور نئے شعراء موجود ہیں جو ادبی دنیا میں اپنا اپنا ایک مقام حاصل کر چکے ہیں۔

یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ کسی قسم کی زندگی اور مادی ترقی کا بہت کچھ دارومدار اس کی اقتصادی، سیاسی اور سماجی ترقی کے ساتھ ساتھ ادبی ترقی پر بھی ہے یہی وجہ ہے کہ بھارت سرکار ہر زبان کے فن و ادب کی ترقیوں پر ایک بڑی بھاری رقم خرچ کر رہی ہے۔

ادب کو زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور خصوصیت کے ساتھ شاعری کو۔ دنیا میں جو رونق اور چہل پہل نظر آتی ہے اس کی بنیاد انسانی جذبات پر ہے۔ شاعری کا تعلق انہیں جذبات سے ہے اگر جذبات نہ ہوں تو زندگی ایک بے کیف بوجھ بن کر رہ جائے اور سماج کی عمارت مسمار ہو جائے۔ شاعر انہیں جذبات کی مدد سے زندگی کی حسین عمارت تعمیر کرتا ہے۔ یونانیوں نے تو شاعر کو اس کی تخلیقی قوتوں (creative powers) کی بدولت دیوتاؤں کے برابر درجہ دیا ہے۔ ڈارون جس نے ساری زندگی علمی تحقیقات کے نذر کر دی تھی۔ آخری عمر میں اپنی ایک کمزوری

کو محسوس کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ابتدائی عمر میں وہ نظم سے لطف لیا کرتا تھا لیکن علمی مشاغل کی بدولت اسے شعر و شاعری سے نفرت ہو گئی۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ اس کے دماغ کا وہ حصہ جس کا تعلق جذبات سے ہے۔ ناکارہ ہو گیا ہے۔ اس نے اپنی مشینی زندگی سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے تمنا کی کہ کاش! اسے زندگی کے وہ دن پھر واپس مل جائیں تاکہ وہ ہفتہ میں کم سے کم ایک دن کچھ اشعار پڑھے اور کچھ موسیقی سنے اور اس طرح اپنے دماغ کے اس حصہ کو ناکارہ ہونے سے بچالے جس پر مسرتوں کا دارومدار ہے۔ پروفیسر جیمس، ایک ماہر نفسیات نے ڈارون کے اس بیان سے دوسروں کو سبق دیتے ہوئے سفارش کی ہے کہ ہر شخص کو چاہیئے کہ روزانہ دس منٹ وہ شعر و شاعری کا مطالعہ کرتا ہے تاکہ جذبات مردہ نہ ہوں ایک مشہور سائنس داں کا ذاتی تجربہ اور ایک مشہور فلسفی کی فکر ہمیں بتاتی ہے کہ شعر و شاعری کا زندگی میں کتنا اونچا مقام ہے۔

شعر شریفانہ جذبات کو بیدار کرنے کا ذریعہ، اور اخلاق کی تعمیر کا آلہ ہے۔ اس سے روح کو سکون اور مسرت حاصل ہوتی ہے اور وہ فرار کے بجائے زندگی کے حادثات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ انسان کی سیرت و کردار کے بنانے میں شعر و شاعری کی اہمیت مسلمہ ہے۔ ہاں شاعری کو کسی خاص قسم کے جذبات کے اظہار کے لئے مخصوص کر دینا شاعری کے ساتھ ناانصافی ہے۔ شاعری کا کام یہ ہے کہ تمام انسانی جذبات کو حرکت میں لاتی رہے نہ کہ مخصوص رنج و غم حسرت و یا یوسی کے جذبات کو ابھار کر زندگی سے فرار کا جذبہ پیدا کرتی رہے۔ حقیقی شاعری وہ ہے جو انسان کو انسان بننے میں مدد دے۔

ہر شاعر اپنے فن میں اپنے زمانہ کی روح کو سمو لیتا ہے اور یہی چیز اس کو غیر فانی بنا دیتی ہے۔

انھیں قوتوں نے ملٹن، شکسپیر، ڈانٹے، ہی وکس، گوئٹے، اشلر، فردوسی نظامی، کالیداس، تلسی داس، غالب، اقبال اور ٹیگور کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا ہے۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اردو شاعری نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اس مثال مشکل سے دنیا کی کسی اور زبان میں مل سکتی ہے

ہمارے ملک میں ابتدا ہی سے ایسی ادبی محفلوں کی کثرت رہی ہے جس نے شعر و شاعری کی ترقی کی رفتار کو تیز کر دیا چنانچہ ہمارے بزرگوں میں مشکل سے کوئی ایسا ہوگا جو شعر نہ کہتا ہو، چاہے وہ مشاعروں میں پڑھنے والا شاعر نہ ہو مگر فن شعر سے اس کو پوری واقفیت ہونا ضروری تھا۔ گویا ہماری تہذیب اور تعلیم کا ایک جزو شعر و شاعری بھی تھا۔

مغربی تعلیم اور خیالات نے اس نئی نسل کو اس فن لطیف سے بڑی حد تک محروم کر دیا ہے جس کے صحیح استعمال کی ضرورت ہر زمانے میں ہوتی ہے۔ خود بھارت کی جنگ آزادی میں سیاسی سفروں کے پہلو بہ پہلو ہمارے شعرا بھی خدمت انجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اردو شاعری کی سب سے بڑی اور میرے خیال میں عجیب صفت اس کی رواداری اور ہمہ گیری ہے۔ ہر مذہب اور ملت کے لوگ نہ صرف اردو شعر سے دلچسپی لیتے ہوئے نظر آتے ہیں بلکہ خود بھی شاعر ہیں۔ یہ چیز آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے نظر آتی ہے۔ اور اسی لئے اردو شاعری کو کسی مخصوص جماعت یا ملت کا سرمایہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ ایک مشترک قومی سرمایہ ہے۔

آخر میں، میں ایک بار پھر آل انڈیا ریڈیو ناگپور اور تمام اہل ذوق حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس ادبی محفل کو منعقد کرکے ایک اچھے اور پاکیزہ مذاق کا ثبوت دیا ہے۔ جے چند

مورخہ ۰ سہ مارچ

اردو کی خبریں

پٹنہ

پٹنہ (ڈاک سے) بہار میں اردو کو علاقائی زبان بنانے کے لئے صدر جمہوریہ کو محضر پیش کرنے کے ابتدائی کام پیشرفت ہو چکی ہے۔ دفتر ریاستی اردو کنونشن انجمن اسلامیہ ہال مرادپور پٹنہ کی اطلاع کے مطابق دستور جمہوریہ ہند کی دفعہ ۳۴۷ کی رو سے صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں بہار ریاست میں اردو کو علاقائی زبان منوانے کی خاطر محضر نامہ پیش کرنے کی غرض سے جو اردو دستخطی مہم کا آغاز کیا گیا تھا اس مہم کی تکمیل ہو چکی ہے اور اب انشاءاللہ اپریل کے آخر میں کنونشن کا انعقاد ہوگا تاکہ محضر نامہ تیار کرکے وفد کی تشکیل کرکے صدر جمہوریہ کی خدمت میں حاضر ہوا جائے۔

یہ طے پایا کہ بہار کے ہر اردو داں معلم، استاد اور پروفیسر، بہار اسمبلی و بہار کونسل کے ہر اردو داں ممبر مرکزی پارلیمنٹ و کونسل آف اسٹیٹ کے ہر اردو داں ممبر، بہار کی تمام لائبریریوں کا ایک ایک نمائندہ، بہار کی ہر اردو ادبی انجمن کا ایک ایک نمائندہ، بہار کی تمام لوکل باڈیز، ڈسٹرکٹ بورڈ میونسپلٹی کے اردو داں اراکین، بہار کے تمام اردو مصنفین و شعرا کرام و ادبا، بہار کے ہر اردو صحافی اردو دستخطی مہم کے فارم پر دستخط کرنے والوں کے نمائندگان کی ایک مخصوص تعداد کو نیز مجلس استقبالیہ و دیگر قابل ذکر اردو دوست احباب کو بہ حیثیت ڈیلی گیٹ شرکت کی دعوت دی جائے۔

کانپور

کانپور۔ یہاں جمعیۃ علماء کے زیر اہتمام جو اردو کانفرنس ہوئی۔ اس نے اپنی ایک تجویز کے ذریعے صدر جمہوریہ ہند سے درخواست کی ہے کہ وہ اردو کو اتر پردیش کی علاقائی زبان تسلیم کرلیں۔ کیونکہ اس صوبے کے ۴۴ لاکھ باشندوں نے اردو کو اپنی مادری زبان بتلایا ہے۔ کانفرنس نے نظم پابندان کے سلسلے میں مندرجہ ذیل تجویز منظور کی ہے۔

یہ اردو کانفرنس تمام ہمدردانِ اردو سے اپیل کرتی ہے کہ وہ تعلیم بالغان کی مہم میں دلچسپی سے حصہ لیں اور ہر جگہ شبینہ مکاتیب قائم کریں۔ اگر اب ہم بالغ عوام کو اردو نہیں پڑھاتے ہیں اور ان کی اردو سے دلچسپی باقی نہیں رکھتے ہیں تو وہ دن دور نہیں جب کہ ہمیں اسکولوں میں پڑھنے والے بچے ملنا مشکل ہو جائیں گے۔ اس لئے ہر اردو سے محبت رکھنے والے کا فرض ہے کہ وہ پورے جوش و خروش سے تعلیم بالغاں کو چلائے۔

انٹرمیڈیٹ میں اردو کے بارے میں کانفرنس نے اپنی ایک تجویز میں کہا ہے۔

انٹرمیڈیٹ کے لئے اس مرتبہ جس نصاب کی تجویز پیش کی گئی ہے اس میں اردو کو اس طرح رکھا گیا ہے کہ جو طالب علم اردو کو بطور اختیاری مضمون کے لے وہ انگریزی نہیں لے سکتا ہے۔ اس کانفرنس کی رائے میں یہ صورت حال نامناسب ہے اس لئے نصاب ایسا ہونا چاہئے کہ طالب علم اردو انگریزی دونوں ایک ساتھ لے سکیں۔ جیسا اب تک ہوتا رہا ہے۔

امروہہ عزیز عباسی صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو امروہہ نے اطلاع دی ہے کہ عنقریب انجمن کے زیر اہتمام "یوم مصحفی" منایا جائے گا۔

بزم مقالات میں حصہ لینے کے لئے حسب ذیل اصحاب کو دعوت دی گئی ہے۔

مصحفی کی سوانحیات ۔ سید مجتبیٰ حسن صاحب
مصحفی اور ان کی شاعری۔ خواجہ احمد فاروقی صاحب
مصحفی اور ان کے تذکرے ۔ نثار احمد صاحب قمر فریدی
مصحفی کے کلام میں عصری رجحانات ۔ پروفیسر احتشام حسین صاحب
مصحفی کی شاعری پر دیسی زبانوں کے اثرات ڈاکٹر مسعود حسین خاں
مصحفی کا مرتبہ ادب اردو میں۔ آل احمد صاحب سرور
مصحفی اور تصوف ۔ مولانا عبدالماجد دریابادی
مصحفی اور انشاء ۔ حکیم کلب علی صاحب شاہد
مصحفی اور ان کے تلامذہ ۔ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی
مصحفی [illegible] اور ان کے مختلف نسخے ۔ مولانا عرشی رام پوری
مصحفی [illegible] میں ہندوستانی تہذیب کے عناصر ۔ علامہ کیفی دہلوی

امروہہ ۔ ۲۰ مارچ کی شب میں مقامی انجمن ترقی اردو کا دوسرا علمی ادبی اجتماع حکیم سلام الحق صاحب کے مکان پر منعقد ہوا جس میں گزشتہ ادبی اجتماع کی کارروائی کی تصدیق اور شوکت اللہ خاں صاحب کے مضمون [illegible] کے بعد صدر انجمن جناب سید ذکی حسن صاحب نے البیرونی پر ایک کامیاب تاریخی مقالہ پڑھا۔ اور حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی نے حضرت ساکت امروہوی کے عنوان سے ایک طویل مقالہ کے ذریعہ حاضرین کو امروہہ کے ایک عظیم المرتبت گمنام شاعر کے حالات سے روشناس اور ان کے کلام سے محظوظ کیا۔ مولانا کو حضرت ساکت کا گم شدہ کلام فراہم کرنے اور فراہم شدہ کلام میں سے اس معیاری انتخاب پر مبارک باد پیش کی گئی۔ ازاں بعد ابوالمزاح مولانا مسلم نے اپنے تطفلات سے جناب رئیس مچھلی شہری نے اپنی ایک عمدہ نظم سے اور جناب ظل حق صاحب نے چائے، پان اور سگریٹ سے حاضرین کی تواضع کی۔ اور انجمن کی جانب سے ظل حق صاحب کا شکریہ ادا کیا گیا۔

بھورروا محمد رحمت اللہ صاحب عراقی انجمن ترقی اردو بانس پار بھورروا ضلع بلیا مطلع فرماتے ہیں کہ انجمن ترقی اردو کا سالانہ ادبی جلسہ اور مشاعرہ اس سال ۵ جون کو ہوگا۔ اسی کے ساتھ ساتھ مدرسہ رونقیہ اور اسٹوڈنٹس لائبریری کے جلسے بھی ہوں گے۔ امید کی جاتی ہے کہ گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی مشاہیر ادبا اور شعرا شریک اجلاس ہوں گے مفصل پروگرام جلد ہی شائع کیا جائے گا۔

اہل بھورروا سے درخواست ہے کہ سالانہ اجلاس کی اہمیت اور افادی شان بڑھانے کے لئے مجلس استقبالیہ کی امداد کریں۔ اور عطیات مرحمت فرمائیں۔

انجمن ترقی اردو بانس پار بھورروا ضلع بلیا کے اراکین نے طے کیا ہے کہ اس سال انجمن کے سالانہ اجتماع کے موقع پر جو ۵ جون کو ہوگا مضمون نویسی کے دو انعامی مقابلے کئے جائیں۔ پہلا مقابلہ ضلع بلیا کے لکھنے والوں کے لئے مخصوص ہوگا جس کا موضوع یہ ہے۔

"مشاہیر بلیا کے تاریخی مختصرات"

سب سے اچھے مضمون پر ۲۰ روپیہ کا نقد انعام انجمن کی طرف سے پیش کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ایک خصوصی انعام جناب حاجی محمد یونس صاحب کی طرف سے اس طالب علم کو دیا جائے گا جو اس موضوع پر بہتر تقریر کریگا۔ دوسرے مقابلہ میں ضلع بلیا کے علاوہ دوسرے اضلاع کے لکھنے والے بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ اس مضمون کا عنوان ہے۔

"دیہاتی گیت سماج کی تاریخ ہوتے ہیں"

سب سے اچھے مضمون پر پچاس روپے کا ایک طلائی تمغہ انجمن کی طرف سے پیش کیا جائے گا۔ شرائط یہ ہیں۔ مضامین بذریعہ رجسٹری سکریٹری انجمن ترقی اردو کے نام ۵ مئی تک پہنچ جانے چاہئیں۔ مضامین فل اسکیپ سائز کے کاغذ پر خوشخط کاغذ کے ایک ہی طرف لکھے ہوئے ہونے چاہئیں اور کسی حالت میں تین ہزار الفاظ سے کم نہ ہونے چاہئیں۔

ایک اور انعام بصورت کتب ضلع بلیا کے اس شاعر کو دیا جائے گا۔ جو نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے بہترین نظم لکھے گا۔ اس نظم میں زبان کی اہمیت اور اس کی خدمت کیلئے اپیل کا ہونا ضروری ہے۔

پبلشر: قاضی محمد عبدالغفار صدر دفتر انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر: نیشنل پرنٹنگ پریس علی گڑھ۔

گذشتہ سے پیوستہ

ہندوستانی اور دوسری ہندوستانی زبانوں کے ماخذ

اقتباس از (The Hindu)

(مرتبہ : مسٹر مدن گوپال)

جب یہ شاعری سفر کرتی ہوئی شمال پہنچی تو دہلی کے مسلمانوں کے لئے نئے تصورات کا سلسلہ شروع ہوا۔ شروع میں ہندوؤں نے کوئی توجہ نہ دی اپنی ہی بھاشا سے چپکے رہے اور اس شاعری کو اجنبی کیا۔ اٹھارہویں صدی کی ابتدا یا سترہویں صدی کے آخر میں اس شاعری کو ہندوستانی کہا جانے لگا تھا کیونکہ یہ "آ" علاقے کے ہندوؤں کی مادری زبان سے بہت قریب تھی اس لئے انھوں نے بڑے خلوص سے اپنا لیا یہ ہندوؤں کی شرکت ہی تھی جس نے دو عظیم دریاؤں (فارسی اور عربی) کے لئے سیلاب کے دروازے کھول دیئے جس سے ہندوستانی کی قدرتی گنگا میں طغیانی آگیا اور اس کے قدرتی ساحلوں کو تھوڑا بہت نقصان پہنچا۔

بہت کم ہندو ادیبوں نے ہندوؤں کے اس انوکھے خیال کی طرف توجہ دی ہے۔ ہندو اپنی خانگی زندگی میں بہت سادگی پسند تھے اور آج بھی یہ بلکہ پرہیزگاری کی حد تک سادہ ہیں۔ اپنی پبلک سماجی رشتوں میں ان سے زیادہ فضول خرچ لوگ ملنا مشکل ہیں۔ ہولی، دیوالی اور دسہرہ تمام نمائش اور دھوم دھام کے تہوار ہیں۔ اسی طرح تمام سماجی جلسے بھی ہیں۔ ہمارے یہاں ایک کہاوت مشہور ہے کہ بنئے کی کمائی بیاہ یا مکان نے کھائی۔ یہ کہاوت تمام ہندوؤں پر بغیر کسی ذات اور امتیاز کے لاگو ہے یہاں تک کہ مندروں (جو وہ اپنے دیوتاؤں کے لئے بناتا ہے) کے اندرونی حصے بڑے سادہ ہوتے ہیں جبکہ باہری حصہ دیدہ ریزی سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور بے معنی آرائش کی افراط سے مذہبی اور انسانی قدروں کی بے خبری ظاہر ہوتی ہے اور ہندو اپنے جذبات کے مظہر ہوتے۔ زبان، ایک سماجی ادارہ ہے جو ہندوؤں کے ہاتھوں سے (بے معنی آرائش کی وجہ سے) اسی طرح مسخ ہوتی ہے۔ اردو بھی اسی سے مصیبت اٹھاتی ہے آج ہندی کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ تم کو بہترین کلاسیکی سنسکرت کے ادب میں بھی یہ رجحان مل جائے گا۔ ایک دیدہ ریز آرائش اور بے معنی تفصیل کا شوق یہ ہندوؤں کی بنیادی کمزوری ہے۔ جو تمام ہندوؤں حتیٰ کہ تعلیم یافتہ ہندوؤں میں بھی عام ہے جسے وہ "فنکاری" کہتے ہیں۔ بقول عظیم مرہٹی ماہر لسانیات ڈاکٹر پی۔ ڈی۔ گیونٹے۔ شیواجی اور پیشواؤں کے زمانے میں مرہٹی ہندوؤں برہمنوں کے خطوط کے جانچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دس الفاظ میں سے پانچ کے ماخذ فارسی اور عربی کے تھے۔ بنگال کی کہانی بھی اسی طرح کی تھی مگر

ان صوبوں نے ابتک اپنی زبان میں شاعری نہیں کی ہے جبکہ کچھ یورپی محققین نے سنسکرت کی غیر مستحق تعریفیں کیں جو اس غلط خیال کے ماتحت تھی کہ سنسکرت ہی تمام انڈو یورپی زبانوں کا منبع ہے۔ تب ہی سے بنگالی اور مرہٹی ہندوؤں نے فارسی اور عربی کے بجائے سنسکرت کے متروک الفاظ کی طرف توجہ دی ہے۔ وہ لوگ جنھوں نے انگریزی پڑھا ہے اور خاص کر جو دیسی زبانوں میں سوچ بھی نہیں سکتے ان کے لئے سنسکرت کی لغات کا کھودنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ بہرحال قومی رجحان وہی بہت زیادہ نمائش کا رہتا ہے۔ اگر کبھی ہندو نے اپنی زبان کو سنسکرت آمیز بنانا ترک کردیا تو وہ اس کو انگریزی آمیز بنانا چاہنے لگے گا ______ انگریزی الفاظ ہماری بول چال میں شامل ہو چکے ہیں اور ہم میں سے کچھ تو زیادہ تر ہی (انگریزی الفاظ) استعمال کرتے ہیں اس کا بھی امکان ہے کہ ہماری ادبی زبان بھی اسی راہ پہ گامزن ہو جائے کچھ اردو ادیبوں نے بڑی افراط سے ان کو استعمال کرنا شروع کردیا ہے تمام اسکالرس کی رنگین بیانی کے شوق اور کسی مردہ زبان کو بہت فارسی آمیز، سنسکرت آمیز یا انگریزی آمیز کرنے کے باوجود زندگی کے بہتے ہوئے دھارے یعنی عوام میں بولی جانے والی زبان کو اپنی راہ سے نہیں ہٹایا جا سکتا۔ جیسا کہ "لسانی انقلاب" کے باب میں کہا جا چکا ہے۔ دنیا کی قوتیں لکھی جانے والی زبانوں کا زنگ توڑ رہی ہیں۔ ممکن ہے ہندوستان میں یہ حقیقت ماننے زیادہ عرصہ لگ جائے کہ بولی جانے والی زبان ہی زندہ زبان ہے اور لکھی جانے والی زبان مردہ زبان ہے۔ اس لئے بولی جانے والی زبان کی ادبی تزئین سے بہت زیادہ اہمیت ہے۔ لیکن یہ عمل پذیری ضروری ہے شاید اس صدی کے خاتمہ سے پہلے ہو۔ یہ عام طور سے نہیں معلوم ہے کہ بنگالی اور مرہٹی کی بھی دو صاف بولیاں ہیں ایک سنسکرت آمیز تعلیم یافتہ طبقے کی اور دوسری عوامی بولی۔ پہلی سنسکرت سے بھری ہوتی ہے۔ دوسری میں بہت سے خوبصورت اور عام فہم فارسی اور عربی الفاظ شامل ہیں۔ بقول مسٹر چٹرجی بنگالی میں دو ہزار پانچ سو (۲۵۰۰) فارسی کے الفاظ ہیں اسی سے ان کا اندازہ ہے کہ ہندوستانی میں پانچ ہزار (۵۰۰۰) الفاظ ضرور ہوں گے۔

مجھے اختتام سے پہلے ہندوستانی کے ماخذ کا خلاصہ بیان کرنا ہے۔ یہ شستہ مشرقی پنجابی اور مغربی یوپی کی خوبصورت ادبی بولی برج کے تعلقات سے پیدا ہونے والی اولاد ہے۔ گو کہ یہ تندرست اور صحت مند بچی تھی۔ لیکن ہندوؤں اور مسلمان دونوں نے اس کی پروا نہ کی۔ یہ نوکروں کے کوارٹر میں پروان چڑھی اور سب سے پہلے اچھوت کبیر کے جھونپڑے میں اس کا حسن

چکا تھا۔ اس کا ماخذ ادبی ہے اسی میں اس کی بڑی شان ہے اور جو مستقبل کے لئے خوش آئند ہے۔

ابھی تک یہ غلط خیال عام ہے کہ تمام ہندوستانی زبانوں کا منبع سنسکرت ہے یہی نہیں بلکہ روز آئے مختلف جماعتوں کی طرف سے اس کی تشہیر کی جاتی ہے۔ وہ افراد جن کو اس کا بہتر علم ہونا چاہیئے وہ بھی اس وہم میں ساتھ رہتے ہیں۔ اب بڑا نازک وقت آگیا ہے اس لئے اس غلطی کو ٹھیک کرنا ضروری ہے۔ یہ توقع کرنا حماقت ہوگی کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سب قبول ہوگا جبکہ تمام ماہر لسانیات کی متفقہ رائے ناکام رہ چکی ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ غیر تحقیقی نظریہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ جہاں تحقیقی نظریہ ناکام رہ جاتا ہے۔ میں اپنے قاری سے کہوں گا کہ وہ آدھا گھنٹہ پالی لغت کی ورق گردانی میں گزارے اس کو یہ دیکھ کر تعجب ہوگا کہ پالی الفاظ بولی جانے والی زبان کے الفاظ سے بہت قریب ہیں بہ نسبت سنسکرت کے مطابقت رکھنے والے الفاظ ______ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پالی بہ نسبت سنسکرت کے جدید زبانوں سے زیادہ قریب ہے یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ پالی سنسکرت سے زیادہ پرانی زبان کی نمائندگی کرتی ہے۔

ہندوؤں کے اثرات کی وجہ سے شعبہ تعلیم نے بھی پالی کی طرف بے توجہی برتی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بہت کم پبلک لائبریریاں پالی لغت رکھتی ہیں میں اپنے ان قاریوں کے لئے جو اس کو (لغات) نہیں دیکھ سکتے پالی الفاظ کی ایک فہرست، مطابقت رکھنے والے سنسکرت، ہندوستانی اور پنجابی الفاظ کے پیش کرتا ہوں۔

پالی	سنسکرت	ہندوستانی	پنجابی
چھ	شاش	چھائے	چھ
ستتا	سپت	سات	سات
سنجھا	سندھیا	سانجھ	سنجھا
سپتی	شکتی	سیپی	سپیتی
داس دہ	داش	داس	داس دہ
بارہ	دوادش	بارہ	باراں
گھر	گریہہ	گھر	گھر
کہاں	کتر	کہاں	کتھے
پچھ	پرشٹھ	پوٹھ	پچھو
رکھ	ورکش	روکھا	رکھ
روگی	روگن	روگ	سندگی
سوئی	سوچی	سوئی	سوئی
متیا	مرتکا	مٹی	مٹی
جیسو	یادرش	جیسا	جیسا
سالو	شیال	سالا	سالا
متوسیا	ماترشواسا	ماوسی	ماسی
پالی	سنسکرت	ہندوستانی	پنجابی
پوتھان	چیتکا	پوتھی	پوتھا
رکھ	ورکش	روکھ	رکھ
مسانم	شمشانم	مسان	مسان
سنکل	شرنکھلا	سانکل	سنگل
ساک	سیتب	ساک	ساک
راتی	راتری	رات	رات
اگی	اگنی	آگ	اگ
تیراس	تریودش	تیرہ	تیراں
تیوسس	ترینشت	تیئس	تیئس
تیتیس	ترائسترنشت	تیتش	تیتی
کام	کریا	کام	کاج
آپان	آپتن	آپ	آپ
ماودا	کمٹ	ماودا	ماود
بیل	بلیوردا	بیل	بیل
کوٹھا	کاتورتھ	کوٹھا	کوٹھا
باؤ	ودھو	بہو	ووٹی
ستجا	شایا	سیج	سیج
ارہتا	ارگھتا	رہٹ	راہٹ
کواڑا	کپاٹ	کواڑ	پھاٹک
بھادوا	بھدرپدا	بھادوں	بھادوں
بھینورا	بھرامرا	بھونرا	بھوراں
سیٹھو	شریشٹھ	سیٹھ	سیٹھ
کھاجا	کھادیہ	کھاجا	کھاجا
جیٹھو	جیشٹھ	جیٹھ	جیٹھ
ہتھی	ہستی	ہاتھی	ہاتھی
ساب	سروا	سب	سب
لاٹھی	لیشٹی	لاٹھی	لاٹھی
دتیا	دوتیا	دوجی	دوجی
دودھ	دگدھ	دودھ	دُدھ